REVIEW OF RESEARCH
ISSN: 2249-894X
IMPACT FACTOR : 5.7631(UIF)
VOLUME - 10 | ISSUE - 7 | APRIL - 2021

''مہاراشٹر میں اردو تحقیق وتنقید: ماضی، حال اور مستقبل''

مقالہ کا عنوان: مہاراشٹر میں اردو تحقیق وتنقید کا آغاز وارتقاء
مقالہ نگار : عائشہ عبدالعزیز پٹھان
اسسٹنٹ پروفیسر، پدمشلوک اہلیادیوی ہولکر
شولاپور یونیورسٹی، شولاپور

اردو زبان کی پیدائش کے متعلق جتنے بھی نظریے پیش کیے گئے ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کی آمد اور فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے میل جول سے ایک زبان کی بنیاد پڑنا شروع ہوئی۔ جو بعد میں مختلف زبانوں میں، ریختہ، دکنی، اور اردو کے ناموں سے پکاری جانے لگی۔ مسلمانوں نے ہندوستان آ کر فارسی کو درباری زبان قرار دیا۔ اور جیسے جیسے ان کی سلطنت کی حدیں مشرق میں بنگال اور جنوب میں میسور تک پھیلتی گئیں۔ اس زبان کے جاننے والے بھی ملک کے طول وعرض میں پیدا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اہل دربار کی وضع وقطع، طرز گفتگو، آداب، نشست وبرخاست، تہذیب وشائستگی، کا معیار قرار پائے۔ ترقی پسند حضرات نے اپنا طرز زندگی انھیں فاتحوں کی طرح اختیار کیا۔ اور ان کی تقلید باعث فخر سمجھنے لگے۔

فاتح کا اثر مفتوح پر جس تیزی اور جس شدت سے ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہندوستان کی معاشرتی فضاء اخلاقی اقدار اور مذاق میں تغیر ہونے لگا۔ اور فارسی زبان نے یہ اہمیت حاصل کرلی کہ ملک کے اکثر پڑھے لکھے اسی میں شعر کہتے، اسی میں خط وکتابت کرتے اور اسی ادب کا مطالعہ کرتے تھے۔ فارسی کے مشہور شعراء کا کلام یاد ہونا اور اس کا برمحل استعمال وہ طرۂ امتیاز تھا جس کے حصول کے لیے ہر شخص ساعی رہتا۔ اور جس کے بغیر اعلیٰ ہی نہیں بلکہ متوسط طبقے میں بھی کوئی وقعت حاصل کرنا ناممکن تھا۔ فارسی کے رواج اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ قریب قریب ہر بچے کی تعلیم اسی زبان سے شروع کی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی فضاء اور ایسے ماحول میں جس نئے ادب کی پرورش ہوگی وہ کس قدر فارسی سے متاثر ہوگا۔ اور اس کے قدم بہ قدم چلنا اپنے لئے باعث فخر سمجھے گا۔

اردو میں جب باقاعدہ شاعری شروع ہوئی تو اس کے شاعروں کے آگے فارسی ادب کا پربہار چمن لہلہا رہا تھا۔ کانوں میں فارسی نغمہ سنجوں کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ مذاق اسی صنعت گری کی داد دے رہا تھا۔ وہ تمام چیزیں لائی جانے لگیں۔ جو فارسی میں رائج تھیں۔ اس عہد کے رہنمایان ادب کی ساری کوشش یہ تھی کہ ہم بھی فارسی کا مماثل ادب پیدا کریں۔ اور اس کی تمام بلندیاں

اور رنگینیاں اپنے یہاں جذب کرلیں۔اسی نظریئے کے تحت میں وہ فارسی کی نہ صرف بحریں بلکہ خیالات اور علامات بھی اردو میں استعمال کرنے لگے۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اردو سے دلچسپی رکھنے والوں میں شعر کے حسن وقبح کا جو معیار ہوگا وہ فارسی کے اصولوں سے مختلف نہیں ہوسکتا۔

تنقید کی تعریف:۔

> تنقید کے لغوی معنی ''پرکھنے'' یا برے بھلے کا فرق معلوم کرنے کے ہیں۔اور اصلاح میں محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور اس پر کوئی رائے قائم کرنا تنقید کہلاتا ہے۔انگریزی میں تنقید کے لئے جو کریٹیسیزم (Criticism) لفظ استعمال ہوتا ہے۔اس کے اصلی معنی عدل یا انصاف کے ہیں۔(۱)
>
> (فرید وجدی، دائرۃ المعارف: جلد۱۹، ص۔۲۶۵)

اسی خیال کے پیش نظر ہڈسن نے لکھا ہے کہ:

> ''ادبی نقاد اسے کہتے ہیں؛ جس میں کسی فن پارے کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔اس فن کے ماہر کا یہ کام ہوتا ہے کہ کسی فن تخلیق کو دیکھے، سمجھے، غور کرے اور اس کی اچھائیوں اور برائیوں کی جانچ کرنے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگاتے۔(۲)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تنقید تو ادبیات میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ہے۔جس کا وجود اگر نہ ہوتو نہ تو ادبیات صحیح راستے پر چل سکتے ہیں نہ انکو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے۔اور نہ عوام ان سے پوری طرح دلچسپی لے سکتے ہیں۔

تنقید کی تعریف میں بہت اختلافات ہیں۔مختلف لکھنے والوں نے تنقید کی تعریف مختلف طرح سے بیان کی ہے۔ کوئی اس کو ''ادبیات کے پرکھنے اور جانچنے کا آلہ بتاتا ہے''۔کوئی یہ کہتا ہے کہ ''وہ تخلیقی ادب پیش کرنے والوں پر لعن طعن کرتی ہے اور ان کو برا بھلا کہنے کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں''۔کسی کا خیال ہے کہ وہ ''صرف فنی تخلیقات کی اچھائیاں گناتی ہے، اور ان کی خوبیوں کو اجاگر کر کے پیش کرتی ہے تاکہ پڑھنے والوں پر ان کے گہرے اثرات اور دیرپا ہوں''، کوئی کہتا ہے کہ نہیں، وہ ''صرف تخلیقی ادب کی تشریح کرتی ہے''، یعنی آسان انداز بیان اور آسان طرز ادا میں ان خیالات کو تفصیل کے ساتھ پھیلا کر بیان کرتی ہے''۔جو فنی تخلیقات، میں سموئے ہوئے ہیں، اسی خیال کے پیش نظر کہ ان کو سب لوگ سمجھ سکیں۔کسی کا خیال ہے کہ ''تخلیقی ادب میں جو فلسفیانہ خیال چھپے ہوئے ہیں، فن کا جو نقطہ نظر ہوتا ہے، جو پیغام عوام کو دینا ہوتا ہے، ان سب کا پتہ لگانا اور تجزیہ کرنا تنقید ہے''۔غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

لیکن ان میں سے ہرایک نظریہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے،اس لئے ان میں سے ہرایک کوعلیحدہ دیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ تنقید کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکے۔اوراس بات کا اندازہ ہو کہ آخراس نے ادبی دنیامیں اتنی اہمیت کیوں؟اور کیسے حاصل کی ہے۔اور کیوں بغیراس کےادب اورانسان زندگی میں کامیاب اور کامران نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک ادب کو جانچنے اور پرکھنے کا سوال ہے، یہ خصوصیت توہرانسان کی فطرت میں موجود ہے۔اس لئے ادب کو جانچنااور پرکھنا تواز بس ضروری ہے۔نہ صرف علماءاور محققین کے لئے بلکہ عالمی انسان کے لیے بھی۔کیوں کہ ہر شخص کسی کو دیکھنے کے بعداس کی اچھائی اور برائی کے متعلق کوئی رائے ضرور قائم کرلیتا ہے۔اسی کو جانچنے اور پرکھنا بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن اس پرکھنے یا جانچنے کے مختلف معیار ہوسکتے ہیں۔ایک تو ادب کو خیال کے اعتبار سے پرکھنااور دوسرے فنی اور جمالیاتی اعتبار سے اس کی جانچ کرنااور پھراس کےعلاوہ بیسوں چھوٹی چھوٹی باتیں اس میں پیدا ہوسکتی ہیں۔خیر تواس سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ ادب کومختلف خیالات کی روشنی میں مختلف زاویوں سے دیکھنااور پرکھنا تنقید کے لئےضروری ہے۔اور ہرطرح کی تنقید کی بنیادی خصوصیت ہونی چاہئے۔

اردو تنقید کا پہلا دور:۔

فارسی شاعری کا ایک اہم محرک حصول زراور قرب سلطانی کی خواہش تھا۔اردو میں شعر کہنے کا بھی اگرچہ ایک حد تک یہی مقصد رہا لیکن یہاں زیادہ تر شعر تقلیداً وتفریحاً کہے گئے۔اس ابتدائی زمانے میں شعر کے متعلق کوئی تحریر نہیں ملتی تاہم اس زمانے کے شعراکے ذہن میں شعر کے حسن وقبح کا جو معیار تھااس کا اظہار ہمیں جگہ جگہ ضمنی طور پرمل جاتا ہے۔غالباًاس قسم کا پہلا بیان ملاوجہی کی قطب مشتری ۱۸۰۱ھ میں ملتا ہے:۔

"کہتا ہوں تجھے پندگی ایک بات ۔۔۔ کہ ہے فائدہ اس ے دھات دھات
جو بے ربط بولے تو بتیاں پچیس ۔۔۔ بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس
سلاست نہیں جس کیری بات میں ۔۔۔ پڑیا جائے کیوں جڑ لے کر بات میں
جسے بات کے ربط کا فام نیں ۔۔۔ اسے شعر کہنے سوں کچھ کام نیں
نکو کرتوں کئی بولنے کا ہوس ۔۔۔ اگر خوب بولے تو یک بیت بس
اسی لفظ کوں شعر میں لیا ہے توں ۔۔۔ کرلیایا ہے استاد جس لفظ کوں
اگرفام ہے شعر کا تجھ کوں چھند ۔۔۔ چنے لفظ لیا ہور معنی بلند
رکھیا ایک معنی اگرزور ہے ۔۔۔ دے بھی مزا بات کا ہور ہے

اگر خوب محبوب جوں سور ہے — سنوار تو نور اعلیٰ نور ہے
اگر لا کھ عیاں اچھے نار میں — ہنر ہووے خوب سنگار میں
شعر گر چہ کئی لوگ جوڑے اہیں — برے بہوت ہور خوب تھوڑے اہیں

(قطب مشتری: نیر نگار خاص نمبر ۱۹۳۴ ''اردو غزل'' ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

ان اشعار سے حسب ذیل باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔

۱) کلام کو سلیس اور مربوط ہونا چاہئے۔

۲) بہت سے مہمل اور بے ربط اشعار کہنے سے ایک اچھا شعر کرنا چاہئے۔

۳) آرائش وزیبائش سے اچھے شعر کے حسن میں تو اضافہ ہوہی جاتا ہے۔ برے شعر کے بعض عیب بھی چھپ جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں بھی شعر کے حسن وقبح کی تمیز موجود تھی۔ اور اس کے کچھ اصول بھی مقرر ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ دکن کے مرثیہ گویوں کے یہاں ایسے فقرے ملتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں مندرجہ بالا صفات کے علاوہ شعر میں تاثر کا جز بھی ہونا ضروری تھا۔ اور کامیاب مرثیہ کے لئے یہ خصوصیت لازمی تھی کہ دل پر چوٹ لگے۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوجائیں۔ دو مثالیں کافی ہونگی۔

اکبری جب یو مرثیہ بولے — سب سینہ کے کیواڑیاں کھولے
کو ہر اشک رات دن روئے — جب سوں جاری ہوئیں؟ افسوس (۱)

(یورپ میں دکنی مخطوطات: نصیر الدین ہاشمی)

مرثیہ لوگوں کے سینہ کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس سے براہ راست دل پر چوٹ لگتی ہے۔ جس سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا ہے۔

کہتا ہے عارفؔ شہاں کا ماتم حسینو کے غم سوں دو جگ ہے برہم،
نکلے ہیں دل پر پیچن کٹاری خدا کا سوں اے خدا کے لوگو (عارفؔ) (۲)

(یورپ میں دکنی مخطوطات : نصیر الدین ہاشمی)

مرثیہ کہنا چونکہ حصول ثواب کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ہر کس وناکس اس میں طبع آزمائی کرنے لگا۔ الفاظ صحیح ہوں یا نہیں، مصرعے موزوں ہوں یا نہ ہوں، مفہوم واضح ہو یا نہ ہو، حصول ثواب کے لئے ہر شخص دو چار مرثیے لکھ دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس بے تکی، سست اور بے جان شاعری کی یہ بہتات ہوئی کہ جو خال خال قابل توجہ چیزیں بھی پیدا ہوئیں۔ انھیں میں دب کر رہ گئیں، اور ''بگڑا

شاعر مرثیہ گو'' کی مثل زبان زد ہوگئی۔ جس سے اس عہد کے مرثیوں اور مرثیہ گویوں کا کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

شمالی ہند: فائز دہلوی:۔

اردو شاعری کا جب شمالی ہند میں رواج ہوا تو کچھ تو دربار کے اثر سے جس کی زبان فارسی تھی۔ اور کچھ صدیوں کے رواج اور فارسی مذاق میں پرورش کے باعث یہاں فارسی کا تتبع زیادہ ہونے لگا۔ اور الفاظ، خیالات، تلمیحات وروایات کا سارا خزانہ اردو کے صرف میں آیا۔ یہ وہ دور تھا کہ فارسی کا ادب سامنے رکھ کر اس کے تمام اصناف ہی اپنے یہاں نہیں لائے گئے، بلکہ فارسی معیار پر پورا اترنے کی بھی کوشش کی گئی۔ اس وقت اردو شعراء کے پیش نظر وہی فارسی معیار تھا جس پر وہ اردو کی چیزوں کو جانچتے تھے۔ چنانچہ فائز دہلوی نے اپنے اردو دیوان کے شروع میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں جہاں اور باتوں کا ذکر ہے وہاں اردو نظم کے اصول بھی اس طرح بیان کئے ہیں۔

ان اصولوں کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱) شعر میں جدت ہونا چاہئے۔ (اور لطافت بھی)

۲) قافیہ صحیح اور شعر حشو وزوایدسے پاک رہنا چاہئے۔

۳) الفاظ سادہ وشیریں اور عبارت سلیس وعام فہم ہونا چاہئے۔

۴) قدما کے رویوں سے باخبر رہنا اور ان کی تقلید کرنا چاہئے۔

۵) ذوق سلیم جن الفاظ کو رکیک اور متبذل ٹھہرائے ان سے پرہیز لازم ہے۔

۶) غلط اور دور دراز کار تشبیہوں اور استعاروں، مبہم اشاروں، غیر صحیح محاوروں، خواہ مخواہ کی صنعتوں اور ناپسندیدہ ایہام استعمال نہ کرنا چاہئے۔

۷) اگرچہ شعر کہنا عروض دانی پر منحصر نہیں لیکن شاعر کے لئے اس کا علم ضروری ہے۔ (۱)

(''اگرچہ گفتن شعر برآں موقوف۔۔ لیکن دانستن آپ برائے شاعر ضروراست۔'' خطبہ دیوان کلیات فائز۔ قلمی)

شعر کے متعلق اس زمانے کے اصول جان لینے کے بعد ہم اصناف سخن کا معیار بھی سمجھ لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ فائز نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں تمام اصناف پر بھی فرداً فرداً توجہ کی ہے اور ان کے متعلق علاحدہ علاحدہ لکھا ہے۔

اصناف سخن کی تعریف کم وبیش وہی پیش کی گئی ہے جو فارسی کتابوں میں ہے۔ قصیدہ کے متعلق چند اور باتیں بھی لکھی ہیں جنھیں اس طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

۱) مدح ممدوح کی مناسبت سے کرنا چاہیے۔

۲) منحوس الفاظ استعمال نہ کرنا چاہیے۔ جس سے بدشگونی ہو۔

۳) جن باتوں کی تعریف کی جائے۔ ان میں سب سے زیادہ اچھی صفت آخر میں رکھی جائے۔

۴) خاتمہ کے اشعار میں زبان وبیان کی طرف خاص توجہ کرنا چاہئے اور اپنا مطلب خوبی سے پیش کرنا چاہیے۔

اسی طرح تمام اصناف کے اصول وضوابط لکھے ہیں۔ ان بیانات میں خاص فائز کی رائیں بہت کم ہیں۔ اکثر وبیشتر خیالات فارسی سے ماخوذ ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے پیش نظر وہی معیار رکھے جو فارسی میں رائج تھے۔ ان کے علاوہ شاہ مبارک آبرو، شاہ حاتم، مرزا محمد رفیع سودا، باقر آگاہ وغیرہ نے اس دور میں اپنی خدمات انجام دی ہیں۔

اردو تنقید کا دوسرا دور:۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ فارسی کا اثر واقتدار اور اس کی مقبولیت بھی گھٹتی گئی۔ اور یہ نئی بڑھتی ہوئی زبان لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتی گئی۔ گھر گھر اردو شاعری کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ مشاعروں کے حالات، شاعروں کی نوک جھونک، مصرعوں کے توارد، شعر کے مقم کے ذکر میں محو رہتے۔ شاعروں کی تعداد بڑھی اور زمانے کے بے رحم ہاتھوں ان کی مٹ جانے کا خطرہ ہوا تو فارسی کی تقلید میں یہاں بھی تذکروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۱۶۵ھ میں نکات الشعراء اور تذکرۂ گردیزی، ۱۱۶۸ھ میں مخزن نکات، ۱۱۷۵ھ میں چمنستان شعراء، ۹۲۔۱۱۸۸ھ میں میر حسن کا تذکرہ، ۱۱۹۳ھ میں تذکرۂ شورش، ۱۱۹۸ھ میں گلزار ابراہیم، ۱۱۹۹ھ میں عقد ثریا، ۱۲۰۹ھ میں تذکرۂ ہندی، ۱۲۱۵ھ میں گلشن ہند، اس کے بعد تذکرۂ عشقی۔ ۱۲۲۱ھ میں مجموعہ نغزہ وغیرہ لکھے گئے۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک منقطع نہیں ہوا ہے۔ چونکہ یہ تذکرے اس زمانے کے مذاق سخن اور طرز تنقید کے بہترین نمائندے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم ان میں سے بعض کا جائزہ لیں گے۔ میر تقی میر، میر حسن، مصحفی وغیرہ شاعروں نے بھی اپنی خدمات انجام دیں۔

قدیم تنقید کا تیسرا دور:۔

ادھر جب دہلی میں اسلوب میر کے شیدائی قدیم طرز کے تذکرے لکھ رہے تھے تو ادھر مشرق میں سات سمندر پار کی قوم کے اثر سے نئے نظریئے اہل علم میں پھیل رہے تھے۔ ادب اور فن کے قواعد اور اصول ایک نئے سانچے میں ڈھل رہے تھے۔ اور مصنفین کا ترقی پسند گروہ اپنے ذہن کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ تذکرہ نویسی بھی ان حالات سے متاثر ہوئی۔ شاعروں کے حالات کی تحقیق واقعات زندگی میں سنین کی تعیّن اور غیر جانبداری کی طرف زیادہ توجہ نے گویا اردو تذکرہ نویسی میں ایک دوسرے دور کا آغاز کیا۔

اس نئے دور میں گلزار ابراہیم ۱۱۹۸ھ، گلشن ہند ۱۲۱۵ھ اور طبقات الشعراء ۱۸۴۸ء ہیں۔ گلشن ہند اور طبقات الشعرا میں اگرچہ بہت بڑا فاصلہ ہے۔ لیکن یہ اس جدید دور کی دو منزلوں کا بھی پتہ دیتے ہیں۔ پہلی منزل میں تحقیقی وتاریخی حسن کی بیداری محسوس

ہوتی ہے۔تو دوسری منزل میں لسانیاتی تحقیق اور مختلف ادوار میں مختلف اصناف سخن کی ترقی کے اسباب اور فن تذکرہ نویسی کی تنقید وغیرہ ملتی ہے۔

ان نئے رجحانات کی پرورش مختلف مقامات پر ہوئی۔ پہلے تو کچھ غیر معین خیالات پھیلے جو نئے مذاق کی تحریریں پڑھنے یا انگریز علما سے تبادلہ خیال کا نتیجہ تھے۔فورٹ ولیم کالج کے قیام سے گویا نئے خیالات کا ایک مرکز قائم ہوگیا۔جس کے بعد انگریزی تعلیم یافتہ طبقے اور مغربی مصنفین کے براہ راست اثرات پڑتے رہے۔جن سے اردو تذکرہ نویسی بھی متاثر ہوئی۔

اردو تنقید کی دنیا میں ہمارا یہ سفر کافی لمبا تھا۔عرب وایران کے معیار شعر پر نگاہ ڈالتے ہوئے جب ہم نے اپنے ادب پر نظر دوڑائی تو یہاں بھی وہی سکّے چلتے نظر آئے۔جو صدیوں سے مشرق میں چلتے آئے تھے۔جس طرح زندگی کم وبیش یکساں درباری آداب و قواعد میں جکڑی رہی،جیسے شاعری ایک بنے بنائے راستے پر جارہی تھی۔اسی طرح تنقید بھی ان سے قدم ملائے بڑھ رہی تھی۔ابتداء میں اصناف کے اصول وضوابط کی طرف توجہ رہی لیکن جیسے جیسے ادب کے دوسرے اصناف میں ترقی ہوتی گئی۔ویسے ویسے (ریاضی کے تناسب سے نہ سہی) فن تنقید بھی ترقی کرتا گیا۔دیباچوں اور نظموں میں اظہار نے مستقل تذکروں سے جگہ بدل لی اور اردو تنقید نے میر جیسے ماہر ،بے لاگ اور نکتہ رس نقاد کے ہاتھوں کافی بلند جگہ حاصل کی۔اختصار،جامعیت اور اظہار حقیقت نے نکات الشعرا کو ایسا بلند درجہ دیا کہ بعد کے تذکرہ نویسوں کی بڑی تعداد نے اس کے اسلوب کا تتبع کیا اور بعض نے تو اس کی ترکیبیں اور عبارتیں اڑائیں۔

(گردیزی اور قایم:یہ حوالہ مضمون۔ڈاکٹر سید عبداللہ،رسالہ اردو ۔۔۱۹۴۲ء)

یہی نہیں بلکہ میر کی بے لاگ تنقید اور طنز نے ایک گروہ کو میر کا مخالف بنا دیا۔گردیزی کا ریختہ گویاں ۱۱۶۶ھ،تذکرۂ حیات ۱۱۷۴ھ،تذکرۂ خاکسار،تذکرۂ شورش ۱۱۹۳ھ،چمنستان شعراء ۱۱۷۵ھ۔مجموعہ نغز ۱۲۲۱ھ،سب کے سب اگرچہ زبردستی میر کی تردید اور تنقیص پر آمادہ ہیں لیکن پھر بھی نکات الشعرا کی تقلید سے آزاد نہیں ہوسکے۔

انگریزوں کی آمد سے جب اودھ کے مشرق میں پڑھے لکھے لوگوں کے افکار وخیالات میں تغیر ہوا تو اردو تنقید میں بھی ایک ایسا دور شروع ہوگیا جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔گلزار ابراہیم اس تغیر کا پہلا نشان ہے۔جس میں تاریخی حس کی بیداری کا پتہ چلتا ہے اور پھر گلشن ہند میں تذکرہ پہلی بار اردو میں لکھا جاتا ہے۔اس میں ادبی تنقید کے ساتھ سیاسی واقعات کا ذکر بدلے ہوئے خیالات کا پتہ دیتا ہے۔

گلشن ہند کے بعد ویسے تو پرانی فضاء میں عمدہ منتخبہ (۱۲۱۵۔۴۲ھ)،مجموعہ نغز ۱۲۲۱ھ،عیار الشعرا ۱۲۰۷۔۴۷ھ وغیرہ لکھے جاچکے ہیں۔جن میں زیادہ سے زیادہ شعراء کے ذکر کا مقصد پیش پیش ہے۔اس لیے کہ ان کے لکھنے والے کلکتہ کی اس فضا اور ماحول سے الگ ہیں۔جہاں خیالات میں تغیر ہو رہا ہے۔لیکن جب ۱۸۴۸ء میں کریم الدین اور فیلن مل کر طبقات الشعرا ترتیب دیتے ہیں۔

تو پتہ چلتا ہے کہ چھیالیس برس میں اردو تنقید کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور بنگال کے لینے والوں کے ذہن اس عرصے میں مغرب سے کتنا متاثر ہو چکے ہیں۔ طبقات میں شعرا کے کلام پر تفصیلی رائیں، خصوصیات کی توجیہیں، زبان کی ابتداء اور ارتقاء کی تاریخ اور رسم الخط پر گفتگو ہمیں ایسی تحریروں کی فضا میں پہنچا دیتی ہے جو ہمارے لیے نئی ہیں۔

قطب مشتری کے اشعار، فائز کے خطبے یا نکات الشعرا کو دیکھ کر اگر ہم طبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس ایک صدی میں اردو تنقید نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کیں ہیں۔ اور کتنے نشیب و فراز سے گزری۔ اردو میں یہ تغیر ابھی تک صرف بنگال کے ادبا کے یہاں رونما ہوا ہے۔ جہاں انگریزوں کا عرصے سے تسلط تھا۔

اردو تنقید کا ارتقاء

ادب اور تنقید:۔

زندگی ہی کی طرح یہ چیز ادب اور آرٹ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ ادب اور آرٹ بھی بہر حال زندگی ہی کے درمیان رہ کر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خود زندگی کے ترجمان ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس لئے زندگی پر جن چیزوں کا اطلاق ہوتا ہے، ان کا اطلاق آرٹ اور ادب پر بھی ہونا چاہیے۔ زندگی کی طرح آرٹ اور ادب کو بھی کسی صحیح راستے پر لگانا ان کے متعلق سوچنا، ان کا جائزہ لینا، ان سے زیادہ سے زیادہ دلکشی کی کیفیت پیدا کرنے کا خیال رکھنا، ان کے تخلیق کرنے والوں اور ان سے دلچسپی لینے والوں کا پہلا فریضہ ہے۔ اس لئے زندگی ادب اور آرٹ میں بھی تنقید کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے ایسا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید نے اپنی اہمیت کے پیش نظر ادب اور آرٹ میں ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ادب اور آرٹ کی تخلیق کرنے والا خود یہ نہ چاہے کہ جو شاہکار اس نے پیش کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے؟ کون سی چیز اس کی تخلیق کا باعث بنی ہے؟ کون سے حالات اس کے ظہور پذیر ہونے میں دلکش و فریب بنایا ہے؟ تو وہ کسی اچھے و معیاری تخلیقی کارنامے کو پیش نہیں کر سکتا ہے۔ فنکار کسی شاہکار کی تخلیق کے بعد اس کو بغور دیکھتا۔ جو خامیاں اس میں رہ جاتی ہیں ان کو دور کرتا ہے اور دوران تخلیق بھی اس کی نظر اپنی تخلیق پر مختلف زاویوں سے پڑتی رہتی ہے۔

ایک مصور جب کوئی تصویر بناتا ہے تو بناتے وقت یہ خیال اس کے دل سے دور نہیں ہوتا کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر اصل کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ یا جن جذبات و احساسات کو وہ اس تصویر میں اجاگر کر کے پیش کرنا چاہتا ہے۔ وہ اجاگر ہو بھی سکے ہیں نہیں۔ ایک فنکار جب اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے تو اپنی ہر تال، ہر لئے، اور ہر سٹر پر اس خیال سے غافل نہیں رہتا کہ وہ اپنے فن کے مظاہرے میں خاطر خواہ کامیاب ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ کسی بات کی کمی دیکھتا ہے تو اس کو پورا کرتا جاتا ہے۔ ایک رقاص جب اپنے ''کن بے

خروش'' کے ذریعے چند مخصوص جذبات واحساسات میں ڈوبا ہوا کوئی راگ نہیں چھوڑتا کہ وہ ان مخصوص جذبات واحساسات کی تصویر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ کہ وہ ان مخصوص جذبات واحساسات کی تصویریں اس طرح پیش کر بھی رہا ہے یا نہیں کہ یہ دیکھنے اور سننے والے ان سے پوری طرح متاثر ہو سکیں۔ ایک شاعر جب کوئی نظم لکھتا ہے تو ہر ایک شعر اور ہر شعر کے ہر ایک لفظ پر بار بار رکتا ہے، سوچتا ہے اور دیکھتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے کہ وہ اپنے خیال کو پوری طرح فنکار کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے یا نہیں۔

حوالہ جاتی کتب:

۱) فرید وجدی، دائرۃ المعارف: جلد ۱۹ (ص۔۲۶۵)

۲) قطب مشتری: نیرنگار خاص نمبر ۱۹۳۴ ''اردو غزل'' ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

۳) یورپ میں دکنی مخطوطات: نصیر الدین ہاشمی

۴) اگرچہ گفتن شعر بر آں موقوف۔۔لیکن دانستن آپ برائے شاعر ضرور است۔'' خطبہ دیوان کلیات فائز۔ قلی

۵) گردیزی اور قایم: یہ حوالہ مضمون۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، رسالہ اردو ۔۔۱۹۴۲ء